احرار کی یادیں

رفیق چوہدری

"ایک ترقی پسند کی سرگذشت"

ہمارے گھر کے سامنے کھلا احاطہ ہے، جس میں دو تین دیگیں اینٹوں کے چولہے پر رکھی ہیں۔ ان کے نیچے آگ جل رہی ہے۔ ان دیگوں میں لال رنگ پک رہا ہے ایک دیگ چولہے سے اترتی ہے۔ لڑکے، جوان، بڑی عمر والے بھی اپنی قمیصیں اتار کر اس میں ڈبو رہے ہیں۔ اس طرح ہر طرف لال ہی لال رنگ کے کپڑے پہنے لوگ نظر آرہے ہیں، بڑا جوش و خروش ہے۔ نعرۂ تکبیر، اللہ اکبر: کے نعرے لگ رہے ہیں۔

جب سے یہ خبر عام ہوئی ہے کہ جموں و کشمیر کے ہندو ڈوگرہ مہاراجہ نے مسلمانوں کی مقدس کتاب کی بے حرمتی کی ہے۔ مسلمانانِ ہند اور خاص طور سے پنجاب کے مسلمانوں کی نیندیں حرام ہو گئی ہیں اور مجلسِ احرار کے جتھے روزانہ پنجاب کے شہروں سے عازم جموں ہوتے ہیں، جن کو عموماً راستے ہی میں منتشر کر دیا جاتا ہے کچھ زیادہ جوشیلے نوجوان اپنے کو گرفتاری کیلئے پیش کرتے ہیں۔ میں ابھی چھوٹا بچہ ہی تھا میں نے شلوار اور قمیص دونوں ہی سرخ رنگ میں رنگ لی ہیں اور ایک لال رنگ کا جھنڈا لے کر چھوٹے چھوٹے بچوں کو ساتھ لئے جلوس کی شکل میں گلیوں کے چکر لگاتا پھر رہا ہوں۔ نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوں، یہ بول ان دنوں ہر پیر و جوان مسلمان کی زبان پر تھے

"اٹھو اُٹھو مومنوں رخ کرو کشمیر کا
راج کر دیو تباہ ڈوگرہ بے پیر کا"

میرے باپ نے بھی جموں بھیجنے کے لئے اپنے محلے کے جوانوں کا قافلہ تیار کیا ہے۔ اس قافلہ کے سرفروشوں کو بڑی پُرتکلف دعوت دی گئی ہے۔ ان کی گردنوں میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے ہیں۔ بڑے اہتمام سے تصویر اتاری گئی اور نعروں کی گونج میں قافلہ محلے کی گلیوں میں کافی دیر چکر لگاتا رہا۔ پھر پولیس کے آنے پر وہ اپنے محلے کے اسکول میں چلے گئے ہیں جہاں ان

سے کھانے کا انتظام کیا گیا ہے اور کھانے کے بعد تصویر ہو گی۔ اس کے بعد قافلہ عازم جموں ہوگا

ادھر پولیس نے اسکول کے بڑے دروازے کے سامنے ڈیرے ڈال دیئے ہیں کہ جیسے ہی وہ لوگ باہر نکلیں ان کو یہیں گرفتار کر لیا جائے تاکہ بہتر کارکردگی کا ریکارڈ بنے۔ میں لال رنگ کے کپڑے پہنے سرخ جھنڈا لئے بار بار اسکول کے گیٹ سے نکلتا اور اندر آتا ہوں بڑے تھانیدار نے مجھے بلا کر پوچھا "یہ قافلے والے اندر کیا کر رہے ہیں ؟"

میں جواب دیتا ہوں کہ "وہ کھانا کھا کر آرام کر رہے ہیں"

تھانیدار نے مجھے تھپکی دی اور ایک روپیہ میری مٹھی میں دیا اور کہا "جاؤ پتہ کر کے آؤ قافلہ کب روانہ ہوگا۔ کسی اور کو نہ بتانا"

میں نے سعادتمندی سے سر ہلایا اور اندر جا کر اپنے باپ کو وہ روپیہ دکھایا اور کہا تھانیدار قافلے کی روانگی کا وقت پوچھ رہا ہے۔ میرے باپ نے مجھے سمجھایا پھر میں باہر گیٹ پر آکر تھانیدار کو بتانے لگا کہ "ابھی تو وہ کھانا کھا کر آرام کر رہے ہیں۔ چار بجے تصویر ہوگی، پھر کہیں پانچ چھ بجے قافلہ تیار ہو کر نکلے گا"

اسی دوران جلد جلد قافلے کو تیار کیا اور اسکول کے پیچھے والی دیوار پھاند کر قافلہ والے کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے جموں کی طرف روانہ ہو گئے میں چھوٹا لڑکا تھانیدار کو پل پل کی خبر آکر دے رہا ہوں کہ "اب قافلے والے تیار ہو رہے ہیں۔ اب تصویر کے لئے جا رہے ہیں اب تصویر کھنچوائی جا رہی ہے۔ اب فلاں تقریر کر رہا ہے اب یہ ہو رہا ہے اور اب وہ ہو رہا ہے" قافلہ روانہ ہوئے دو گھنٹے ہو چکے ہیں۔ اب تھانیدار صاحب کو احساس ہوا ہے کہ ایک بچے نے ہمیں بے وقوف بنایا ہے۔ وہ بہت بگڑ رہا ہے میں وہ روپیہ اس کے منہ پہ مار کر بھاگ کھڑا ہوا ہوں۔

صبح ہوتے ہی قافلہ گوجرانوالہ کی سرحد عبور کر کے سیالکوٹ کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔

(منقول از "میری دنیا" پنجاب رنگ پبلی کیشنز۔ کراچی، ص ۲۴ - ۲۵)

بقیہ از ص ۲

امید کرتا ہوں کہ میاں صاحب اپنی بزرگی کا خود تحفظ فرمائیں گے اور آئندہ ایسے غیر ذمہ دارانہ بیانات سے گریز و پرہیز فرمائیں گے کیونکہ بڑھاپے کی بدپرہیزیاں بہت نقصان دیتی ہیں۔